# اقبالیاتی ادب

## علمی مجلّات کے مقالات کا تعارف

### جولائی۔دسمبر۲۰۰۴ء

۞ ۞ ۞

۞ **ڈاکٹر شجاع ناموس ''اقبال کا پیغام''** اقبالیات۔ جولائی۲۰۰۴ء۔ص۵تا۳۷

یہ خصوصی لیکچر پروفیسر ڈاکٹر شجاع ناموس مرحوم ومغفور نے عباسیہ لٹریری لیگ، بہاولپور کی زیر اہتمام ایک خصوصی اجلاس میں دیا تھا جو۹ جنوری ۱۹۳۸ء بروز اتوار، ''اقبال ڈے'' کے طور پر منایا گیا تھا، یعنی علامہ اقبال کی وفات سے تقریباً تین ماہ پہلے۔

☆☆☆

۞ **وحیدالدین سلیم ''بزمِ سرور میں علامہ اقبال اور مودودی''** اقبالیات۔ جولائی۲۰۰۴ء۔ص۳۸تا۴۸

اس مختصر مضمون میں پروفیسر آل احمد سرور کے اُس طویل مقالے پر تنقید کی گئی ہے جو''اردو میں دانش وری کی روایت'' کے عنوان سے روز نامہ''منصف'' حیدرآباد، انڈیا کے ہفتہ وار ادبی کالم ''ایوانِ ادب'' میں بالاقساط شائع ہوا تھا۔ اس مقالے میں پروفیسر سرور نے اردو کے کئی نامور ادیبوں کے افکار کا جائزہ پیش کیا تھا۔ خاص طور پر علامہ اقبال اور مودودی پر آزادانہ خامہ فرسائی کی تھی، جسے فاضل مقالہ نگار جناب وحیدالدین سلیم نے شدت سے محسوس کیا اور اپنے اس مضمون میں انھوں نے بھی خاصی آزادانہ خامہ فرسائی سے سرور صاحب کی آراء پر نکتہ چینی کی ہے۔

☆☆☆

۞ **ابوالکلام قاسمی ''اقبال تنقید اور آل احمد سرور''** اقبالیات۔ جولائی۲۰۰۴ء۔ص۴۹تا۶۰

اس مقالے کو نفس مضمون کے اعتبار سے وحیدالدین سلیم صاحب کے مضمون کا مدمقابل سمجھنا چاہیے، جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ قاسمی صاحب اقبالیات کے شعبۂ تنقید میں آل احمد سرور کو بڑا درجہ دیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں: ''اقبال کے معاملے میں اُن کا تنقیدی امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اقبال کی شاعری پر کوئی باقاعدہ کتاب تو نہیں لکھی، لیکن اپنے معتدبہ مضامین میں کم وبیش اقبال

کی فکر اور فن کے تقریباً ہر پہلو پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اقبال کی ممتاز ترین نظموں سے لے کر فکر و فلسفہ کی تاریخ میں اقبال کی انفرادیت تک کو سرور صاحب نے بصیرت افروز نقطۂ نظر اور پختہ کار شعور عرفان کے ساتھ دیکھا ہے اور پورے اقبال کی بازیافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس پس منظر میں آل احمد سرور کا شمار ممتاز ترین اقبال شناسوں میں عرصے تک ہوتا رہے گا''۔

☆☆☆

❁ مظفر اقبال ''ایک مردِ حق آگاہ کی بصیرت'' اقبالیات ۔ جولائی ۲۰۰۴ء۔ ص ۶۱ تا ۶۴

اس مردِ حق کے سرچشمہ بصیرت کے بارے میں مقالہ نگار لکھتے ہیں: ''اگر قرآن حکیم سے عُمر بھر کی رفاقت اور وابستگی نے اقبال کی زندگی اور اُن کے فن کو ایک روحانی سرچشمے سے فیض یاب ہونے کا موقع دیا تو حُبِ رسولؐ نے اُن کے اندر ایسا سوز پیدا کیا کہ بیان ہے کہ آپؐ کا نام دائرہ سماعت میں آتے ہی اُن پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ اسی محبت کا ایک رخ شہر نبیؐ کو زیارت وہ خواہش تھی جو اقبال صرف عالمِ خیال ہی میں پوری کر سکے، لیکن چشم تصور سے کئے گئے اس سفر کی اٹھان کیسی ہے کہ آوازِ جرس سے اُن کی جان میں ایسا شور برپا ہو جاتا ہے جیسے وہ ہر لمحے شہرِ محبوب کی طرف جانے والے قافلے کے ہمراہ پابہ رکاب ہوں''۔

☆☆☆

❁ ظفر الاسلام ظفر ''علامہ اقبال کی زندگی میں پہلا یومِ اقبال'' اقبالیات ۔ جولائی ۲۰۰۴ء۔ ص ۶۵ تا ۷۰

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ علامہ اقبال کی زندگی میں حیدرآباد دکن میں ''یوم اقبال'' ۹ جنوری ۱۹۳۸ء کو ٹاؤن ہال میں نہایت تزک و احتشام سے منایا گیا۔ اس خیال کی صحت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ۹ر جنوری ۱۹۳۸ء کو ہندوستان بھر میں ''یوم اقبال'' کی تقریبات کا انعقاد کیا گیا تھا۔ بقول میاں محمد شفیع ''اس وقت ایک اندازے کے مطابق ایک ہزار سے زائد مقامات پر یومِ اقبال کی تقریبات منعقد ہوئیں'' جناب ظفر الاسلام ظفر نے اِس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لیے یہ مضمون لکھا اور شواہد و دلائل سے ثابت کیا کہ ''علامہ اقبال کی زندگی میں پہلا ''یومِ اقبال'' ۶ر مارچ ۱۹۳۲ء کو لاہور میں منایا گیا اور پھر ۹ر جنوری ۱۹۳۸ کو ہندوستان بھر میں ''یومِ اقبال'' کی تقریبات منائی گئیں۔ چنانچہ یہ کہنا خلافِ حقیقت اور غلط ہوگا کہ پہلا ''یومِ اقبال'' حیدرآباد دکن میں منایا گیا۔

☆☆☆

❁ اسلم کمال ''ڈاکٹر شمل کی لوحِ مزار'' اقبالیات ۔ جولائی ۲۰۰۴ء۔ ص ۷۱ تا ۸۰

ٹھٹھہ کے مشہور مکلی قبرستان میں پیر احسام الدین راشدی کی قبر سے ہٹ کر پیچھے دیوار کے قریب ایک لوح نصب ہے اور اس پر گہرے سبز رنگ کی ویلوٹ کا پردہ پڑا ہے۔ ۲ فٹ × ۳ فٹ سنگ مرمر کی اِس لوح کی نقاب کشائی کے لیے لاہور اور کراچی سے ڈاکٹر شمل کے چند شیدائی ۱۷ اپریل ۲۰۰۴ء کی صبح کو ٹھٹھہ پہنچے جن میں ڈاکٹر ناصرہ جاوید اقبال، مسٹر ہلمنٹ ہول نائر (جرمن قونصل)، مسٹر غلام ربانی آگرو (ڈائریکٹر جنرل سندھی ادبی بورڈ)، پرنس نواب مُحسن علی خان (لندن) مشہور دانشور جناب ابراہیم جویو، محمد سہیل عمر (ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان)، جناب اکرام چغتائی، مصور اقبال اسلم کمال اور جناب طالب محبوب شامل تھے۔ لوح کی پیشانی پر درمیان میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھا ہے۔ اس کے نیچے تین سطروں میں ''پروفیسر ڈاکٹر این میری شمل'' لکھا ہے۔ اس کے نیچے اُن کی یہ خواہش رقم ہے کہ ''اے مکلی قبرستان میں سپرد خاک کیا جائے''۔ ڈاکٹر شمل کے مزار کی لوح کی نقاب کشائی کی تقریب کا چشم دید احوال اسلم کمال صاحب نے بڑے جذبے سے اس مضمون میں قلم بند کی ہے۔

❁ خضر یاسین ''انسان اور اُس کے وجودی اُصول'' اقبالیات ۔ جولائی ۲۰۰۴ء۔ص ۸۱ تا ۱۰۰

اس فلسفیانہ اور خیال افروز مضمون میں اقبال کے فلسفۂ خودی کی تشریح میں فاضل مقالہ نگار نے ایک جگہ لکھا ہے: ''علامہ نے زندگی کو بنیادی اُصول فرض کیا ہے اور اس لیے زندگی پر ہی زیادہ تفکر فرمایا ہے۔ خودی سے مراد زندگی کے تقاضے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو زندگی اور اُس کے مظاہر کا اِس حد تک پابند بنا لیتے ہیں کہ شعور اُن کے نزدیک کوئی مستقل بالذات مظہر وجود نہیں رہا ہے، اس لیے شعور کو ایک وجودی اصول کے طور پر قبول کرنے پر گریز پا رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے فلسفۂ خودی کا انحصار حیاتیاتی تقاضوں پر رکھا ہے اور شعوری تقاضوں پر نہیں رکھا۔

☆☆☆

❁ اکبر حیدری کاشمیری ''اقبال اور شاد حیدر آبادی'' اقبالیات ۔ جولائی ۲۰۰۴ء۔ص ۱۰۱ تا ۱۱۷

مہاراجہ سر کشن پرشاد، یمین السلطنت اور مدار المہام (۱۸۶۴ء۔۱۹۴۰ء) اردو کے ایک قادر الکلام شاعر، ممتاز نثر نگار اور اردو زبان و ادب کے مربی تھے۔ شاد تخلص تھا۔ اُن کی رفاقت اور سرپرستی میں شعراء اور ادباء کی ایک بڑی تعداد پروان چڑھی۔ وہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور عربی سے کماحقہٗ واقف تھے۔ وہ حالی، شبلی اور اکبر الٰہ آبادی سے بھی ایک تعلق خاطر رکھتے تھے۔ شاد علامہ اقبال کے بھی دلدادہ تھا۔ اس مضمون میں علامہ اقبال سے شاد کے تعلقِ خاطر اور اُن کی شاعری سے لگاؤ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

☆☆☆

❁ احمد جاوید ''طلوعِ اسلام: ایک نثری بیانیہ'' اقبالیات ۔ جولائی ۲۰۰۴ء۔ص ۱۱۸ تا ۱۲۴

اقبال کی مشہور و معروف نظم ''طلوعِ اسلام'' کو اگر ایک نثری بیانیہ کی صورت دینا مقصود ہو، اس طرح کہ وہی کیفیت بھی قائم رہے، تو اس کے لیے جناب احمد جاوید کا یہ ''بیانیہ'' ایک نمونۂ مثل ثابت ہوگا:

زندگی سمندر ہے
سمندر ہے یہ کائنات بھی
مغرب اِس سمندر کا بھنور ہے، ایک چھوٹی طغیانی
جس نے سمندر کو دہلا رکھا ہے۔
لیکن مسلمان!
مسلمان، موتی ہے اسی سمندر کا جو
زندگی ہے اور کائنات ہے۔۔۔۔
اچھا ہے سمندر اِس گرداب سے اور
اس طوفان سے ڈولتا رہے
یہاں تک کہ موتی اسے اپنے اندر جذب کر لے

☆☆☆

۞ ڈاکٹر شگفتہ بیگم ''اصول حرکت اور اقبال کا تصور اجتہاد''، اقبال۔ اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۴ء، ص ۱۷ تا ۴۷

معروف دانشور، ماہر اقبالیات ڈاکٹر یوسف حسین خان مرحوم نے کہا تھا: ''اقبال کو پڑھنے سے پہلے بہت کچھ پڑھنا پڑتا ہے، تب اقبال سمجھ میں آتا ہے''۔ اقبال اپنے علم اور فکر کے حوالے سے ہمہ جہت شخصیت تھی۔ ان کا علم، ان کی فکر زندہ معاشرہ میں بسنے والے زندہ انسانوں کے لیے تھی۔ آج قبال کی فکر کے حقیقی ترجمان وہی لوگ ہیں جو اقبال کے زندہ افکار پر قلم اٹھاتے ہیں اور ترجمانی کی کوشش کرتے ہیں، ڈاکٹر شگفتہ بیگم ان میں سے ایک ہیں۔ اُن کا زیر نظر مقالہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

پروفیسر پاک و ہند اور مسلم ایشیا میں اقبال واحد مفکر ہیں جنھوں نے اسلام کی نشاتِ ثانیہ کے لیے اجتہاد کی اہمیت پر زور دیا۔ سید سلیمان ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے۔ اس مبحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب۔ شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گذری ہے مگر افسوس کہ بہت مختصر ہے۔ اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت تھی مصنف نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا۔ موجودہ صورت حال میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا۔ میں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا۔ چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں اس واسطے اس کو اب تک شائع نہیں کیا۔ آپ کو یاد ہوگا میں نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا''۔

اجتہاد کی ضرورت پر زور رہنے کے ساتھ ساتھ اقبال نے یہ بھی ثابت کیا کہ اسلام کی اساس اصول حرکت پر ہے۔ اسلام کی فکر جامد نہیں اسلام نے صراط مستقیم کا تصور دیا۔ اسلامی تعلیمات آگے بڑھنے کی تحریک پیدا کرتی ہیں۔ چھٹے خطبے کے آغاز میں اقبال لکھتے ہیں ''تہذیب وثقافت کی نظر سے دیکھا جائے تو بحیثیت ایک تحریک، اسلام نے دُنیائے قدیم کا یہ نظریہ تسلیم نہیں کیا کہ کائنات ایک ساکن و جامد وجود ہے۔ برعکس اس کے وہ اسے متحرک قرار دیتا ہے''۔

جہاں تک اقبال کے موقف کا تعلق ہے کہ نئے فقہی فیصلے ضرور ہونے چاہئیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین اسلام ایک مکمل دین ہے اور فقہی ادب کے ایک بے نظیر ذخیرے کی موجودگی میں نئے فقہی فیصلوں کی آخر کیا ضرورت ہے؟ وہ کیا خلا ہے جس کو اقبال نے محسوس کیا اور اس کو پُر کرنے کی غرض سے فقہ کو دوبارہ منظّم کرنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ لمحہ بہ لمحہ بدلتے حالات، علم کی دُنیا میں نئے دریافت ہونے والے علوم اور مسائل پر کسی ایک خاص دور میں مرتب ہونے والے قوانین مسلط نہیں کیے جا سکتے۔ جمادات کی دُنیا میں بھی ارتقاء کا عمل ظہور پذیر ہوتا ہے۔ انسان تو پھر اشرف المخلوقات ہے۔ عقل اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا مجموعہ ہے۔

اس پر کوئی چیز مسلط نہیں کی جا سکتی۔ اجتہاد کا مطلب ہے کہ قرآن نے جن مستقل اقدار کا ذکر کیا ہے ان کے اندر رہتے ہوئے عہد نو میں پیش آمدہ مسائل پر غور کیا جا سکے۔ اس کا مطلب مستقل اقدار کا ارتقا ہے۔ حرکت ہے جمود نہیں۔

اقبال نے مسلمانوں میں جمود کو محسوس کرتے ہوئے فقہا پر بھی تنقید کی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ نے اقبال کی

تحریروں سے مختلف اقتباسات پیش کر کے یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔

☆☆☆

۞ مظفر حسین ''اقبال کا روحانی انسان''، اقبال۔ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۴ء، ص ۵ تا ۳۶

بیسویں صدی میں ہندوستان کے مسلمان مفکرین کو ایسے روحانی انسان کی جستجو تھی جو مسلمانوں کی فرنگی استعمار سے آزادی دلائے۔ ان کی عظمت رفتہ لوٹائے، تاکہ وہ تاریخ میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے روحانی انسان کے ایسے ایسے تصورات پیش کیے جن میں زندگی سے گریز، روحانیت سے اجتناب اور سیاسی اقتدار کی بازیافت کا پہلو غالب تھا۔

علامہ اقبال کا روحانی انسان کا تصور دیگر مفکرین سے جُدا منفرد اور ممتاز ہے۔ علامہ اسے انسان کی تلاش میں ہیں جو شورش اقوام کو ختم کر دے۔ اقوام عالم کے لیے صلح و آشتی کا پیغام لائے۔ علامہ نے تصوفِ ابدیت کے خلاف بغاوت کر کے تصوفِ عبدیت کا مطمع نظر اپنایا اور اللہ کے ساتھ وصل کی کیفیت میں گم ہونے کی بجائے اللہ کا بندہ بننے پر زور دیا۔ یعنی فرمایا کہ عمل مراقبے کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ عشق انسان کی عقلی، جذباتی اور وجدانی قوتوں کی شیرازہ بندی کر کے اسے ہمہ وقت راہ عمل پر گامزن رکھنے کا ایک طاقتور جذبہ ہے۔ اس لیے علامہ اقبال اس جذبے کو روحانی انسان کی زندگی کا امام مانتے ہیں۔

علامہ کا روحانی انسان آفاقی نقطۂ نظر کا حامل، جدت آفرین اور صاحبِ ایجاد ہے۔ وہ جلال و جمال کے امتزاج کا حسین مرقع ہے۔

چنانچہ علامہ اقبال کی امیدوں کا مرکز وہی احسن التقویم انسان ہے جس کی تربیت کے ذریعے اس کی روحانی تجدید کر کے ایک نئی دُنیا تعمیر کی جا سکتی ہے۔ علامہ اقبال سائنس اور مذہب میں ہم آہنگی کے شدید متمنی ہیں۔ علامہ سائنسی انداز فکر اور مذہبی تجربے میں ہم آہنگی پیدا کر کے نہ صرف سائنس کو روحانی بنانا چاہتے تھے بلکہ مشرق و مغرب کی تہذیب کے امتزاج سے ایک آفاقی تمدن و تہذیب کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے۔

علامہ اقبال کے خیال میں جہان نو کی تعمیر ایسے آفاقی روحانی انسان کے ہاتھوں سے ہوگی جو رب العالمین، رحمۃ للعالمین اور ذکر لعالمین کے تصورات کو بنیاد بنا کر انسانیت کی خدمت کرے۔ دُنیا کو فتنہ و فساد اور ظلم و استحصال سے پاک کرے اور توحید کی بنیاد پر دُنیا میں ملت آدم قائم کرے اس کرۂ ارض کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا۔

☆☆☆

۞ ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام ''اقبال۔ ایک تحریک'' اقبال۔ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ء، ص ۵ تا ۱۵

مقالے کی تمہید میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کا کلام انسانی تاریخ کا آئینہ دار ہے۔ مسلمانان ہند کی تاریخ پر اقبال نے خصوصیت کے ساتھ توجہ دی۔ جن عظیم حکمرانوں کو علامہ اقبال نے خراج تحسین ادا کیا ہے، ان میں محمود غزنوی، اورنگ زیب عالمگیر، احمد شاہ ابدالی اور سلطان ٹیپو خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر

ہیں۔مسلمان حکمرانوں کی حکومت کے دو واضح اصول تھے ایک مذہبی آزادی اور دوسرا رواداری اور معاشرتی انصاف۔ان دو اہم اصولوں کی بناء پر مسلمانوں نے برصغیر پر ایک ہزار سال تک حکومت کی۔

مغل حکومت کو مستحکم کرنے میں علماء،صوفیہ و مشائخ کا کردار بھی بہت نمایاں ہے۔وہ سلاطین وقت کو اسلامی احکام کی تعمیل و تاکید فرماتے تھے۔ان میں حضرت نظام الدین اولیاؒ،حضرت بہاؤالدین زکریاؒ،شرف الدینؒ،بوعلی قلندرؒ،جلال الدین بخاریؒ،شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ شامل ہیں۔

مغلیہ سلطنت کے احوال کے بعد جب باگ دوڑ انگریز ہاتھوں میں چلی گئی تو انگریزوں نے حکومت مستحکم کرنے کے لیے ہندوؤں کی سرپرستی شروع کر دی۔ان معاندانہ کارروائیوں نے جہاں ہندو ذہنیت کو بے نقاب کیا،وہاں خود مسلمانوں میں وحدت ملی کا شعور بھی پیدا ہوا۔یہ شعور اور بیداری پیدا کرنے میں سرسید احمد خان،شبلی نعمانی،مولانا حالی اکبرالہ آبادی اور سب سے بڑھ کر علامہ اقبال نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

ہماری تاریخ ادب میں اقبال آزادی وطن کے سب سے بڑے شاعر تھے۔اس حوالے سے ان کے ساز سخن کے نغمات حریت اور استقلال تھے۔علامہ نے مسلمانوں پر واضح کر دیا مسلمانوں کی نجات کا واحد راستہ اسلامی قومیت میں ہے۔اقبال نے معاشرہ،فرد،ریاست،قومیت،مذہبیت،اقتصاد غرض کہ تمام شعبہ ہائے زندگی پر اسلامی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی۔علامہ اقبال نے مسلمانوں کے تحفظ و بقا کا جو راستہ دکھایا قائداعظم اس راستے پر اسلامی قافلے کو لے کر چل پڑے اور بہت قلیل عرصے میں منزل حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو علامہ اقبال کا قائداعظم سے بہتر کسی نے درحقیقت اسلام میں اقبال کا تصور پاکستان ہے اور یہی نظریۂ پاکستان اور تحریک پاکستان ہے۔

☆☆☆

۞ پروفیسر منیبہ خانم ''علامہ اقبال کی قطعہ نگاری'' اقبال۔اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۴ء،ص ۵۱تا۶۱

پروفیسر صاحبہ لکھتی ہیں کہ علامہ اقبال کے اردو کلام میں باقاعدہ قطعہ کے عنوان سے اگر دیکھا جائے تو قطعات کی تعداد برائے نام ہے۔لیکن ماہرین عروض کے فیصلے کے مطابق اور فن قطعہ نگاری کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو اقبال کے قطعات کی ایک طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کی کتاب اوزانِ اقبال کے مطابق بانگ درا ،بال جبریل اور ارمغان حجاز میں کچھ کم،لیکن ضرب کلیم میں قطعات کی بڑی تعداد موجود ہے۔

بانگ درا کے ظریفانہ قطعات میں اکبر کی ظرافت کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔موضوعات بھی کم وبیش وہی ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ اکبر کا میدان ہی طنز وظرافت ہے جبکہ اقبال اس سے سرسری گذر گئے ہیں۔ بانگ درا کے حصہ سوم میں وطن پرستی کا رنگ غالب ہے۔ان قطعات میں مسلمانوں کے عروج زوال کا نقشہ کھینچ کر وہ اپنی سوئی ہوئی قوم کو بیدار کرنا چاہتے ہیں۔سرگزشت آدم،خطاب بہ جوانان اسلام،جنگ یرموک کا ایک واقعہ،صدیق،محامزادرنہ میں علامہ ان عجب آموز واقعات سے اخلاقی درس دیتے نظر آتے ہیں۔

بالِ جبریل کے قطعات بھی سیاسی، تاریخی اور اخلاقی نوعیت کے ہیں۔ اقبال کے نزدیک سے مراد خودی کی پرورش آرزو و جب کا فروغ، عمل و سعی پیہم اور اعلیٰ مقاصد سے اپنے مذہب کی بنیادوں کو مستحکم کرنا ہے۔ ان قطعات میں جہاں علامہ کی آرزوئیں اور تمنائیں ایک پرشکوہ ماضی کے دامن میں پناہ لیتی نظر آتی ہیں اور یہیں سے اٹھنے والی روشنی کی رکرنیں انہیں فرار کا راستہ دکھاتی ہیں۔ قید خانے میں معتمد کی فریاد، ہسپانیہ، ابوالعلا معری، پارون کی آخری نعمت ایسے ہی قطعات ہیں۔ جبکہ ابلیس کی عرضداشت ''باغی مرید'' جیسے قطعات میں طنز کا پہلو نمایاں ہے۔

ضربِ کلیم کے قطعات میں معیار و مقدار کے حوالے سے اقبال کی شاعری کا عروج نظر آتا ہے اس دور میں اقبال کے ''رباعی نما قطعات'' کی تعداد پچاس ہے۔ ضربِ کلیم کے قطعات کو موضوعات کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے۔ نمایاں موضوعات درج ذیل ہیں:

(۱) اسلام اور سلمان (۲) تعلیم و تربیت (۳) عورت (۴) ادبیات، فنون لطیفہ (۵) سیاسیات مشرق و مغرب۔

روایتی عشقیہ مضامین سے ہٹ کر اقبال کے مخصوص فلسفہ خودی نے موضوعاتی سطح پر انہیں ایک صاحب طرز قطعہ نگار بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اقبال کے اسلوب کے چھوتے پن اور انفرادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اقبال کے مخصوص الفاظ و تراکیب و علامات تلمیحات، صنائع بدائع اور تشبیہات و استعارات کی وجہ سے شعر اقبال کو الگ کرنا کوئی مشکل کا نہیں ہے۔

☆☆☆

❁ پروفیسر ڈاکٹر خواجہ زکریا ''اکبر اور اقبال'' اقبال۔ جولائی۔ ستمبر ۲۰۰۴ء، ص ۳۷ تا ۵۰

مقالے کی تمہید میں پروفیسر خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ اقبال کا شمار اکبر کے ہم عصر شعراء میں ہوتا ہے۔ اگرچہ دونوں کی عمروں میں تیس سال کا فرق تھا۔ اقبال کو اکبر سے اس قدر عقیدت تھی کہ وہ کئی مرتبہ صرف اکبر سے ملنے الہ آباد گئے۔ اقبال کی تحریروں میں اکبر کے کلام پر اجمالاً اظہار خیال ملتا ہے۔

اقبال وطن پرستی کے دور سے باہر نکلے تو انہیں احساس ہوا کہ ہندو مسلم اتحاد ممکن نہیں۔ اُس وقت تک اکبر کے دور میں ہونے والی ہندو فرقہ پرستی کھل کر سامنے آئی تھی، اس لیے انھوں نے اپنے کلام میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو اکٹھا انگریزوں کے مقابل رکھ کر پیش کیا لیکن بعد کے حالات جن میں دیوناگری رسم الخط کی تحریک اور تقسیم بنگال کے خلاف احتجاجی تحریک نے ہندو عصبیت کو اکبر الہ آبادی پر آشکار کر دیا تو پھر انھوں نے اپنے کلام میں بھی اس کا اظہار کیا۔

اکبر کی وفات کے بعد اقبال نے اپنا تاریخ ساز خطبہ الہ آباد میں پیش کیا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال اکبر کے افکار کی اہمیت سے واقف اور بصیرت سے آگاہ تھے۔ اکبر کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں نفی ہے۔ اثبات نہیں وہ چیزوں کو رد کرتے ہیں۔ مثبت اقدار کی تلقین نہیں کرتے لیکن اکبر کے ہاں کوشش اور عمل پر زور اقبال سے کم نہیں۔ مغرب کے بارے میں بھی دونوں کے نظریات میں بہت مماثلت ہے

اقبال دیکھتے تھے کہ لوگ مشرق کے زوال اور مغرب کے عروج کی عجیب عجیب توجیہات کرتے ہیں کبھی مذہب کو کبھی عورت کے پردے کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ خیال کرتے ہیں۔ اکبر کی رائے بھی ہو بہو یہی ہے۔ وہ کسی لباس، زبان و رسم، یا مذہب کی ترقی کی راہ میں خارج نہیں سمجھتے۔ وہ اس بات پر نوحہ کناں ہیں کہ ہم بنگلے، لباس اور خوراک میں تو انگریزوں کی نقالی کرتے ہیں، صنعت و حرفت میں نہیں کرتے جو اصل چیز ہے۔

مقالے کے اختتام پر فاضل مقالہ نگار نے اقبال اور اکبر کے چند اشعار کے حوالوں سے دونوں بڑے شاعروں کے تقابلی مطالعے کے بعد نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اقبال کے فکر کے بہت سے رشتے اکبر سے ملائے جا سکتے ہیں۔

☆☆☆

۞ پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان ''اقبال کا دوسرا خطبہ: تنقیدی و تحقیقی جائزہ''، قومی زبان ۔نومبر ۲۰۰۴ء، ص ۱۳ تا ۲۷۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، مقالہ نگار نے اپنے اس مقالے میں اقبال کے دوسرے خطبے ''مذہبی واردات کی فلسفیانہ پرکھ'' کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس خطبے میں علامہ صاحب نے عیسوی علم الکلام کے تین دلائل پر بحث کی ہے، یعنی کونیاتی دلیل، غایتی دلیل اور وجودی دلیل۔ علامہ صاحب نے اپنے خطبے میں فرمایا تھا کہ یہ تینوں مکاتبِ فکر اِس بات کے غماز ہیں کہ انسانی عقل نے وجودِ باری تعالیٰ کی جستجو کے لیے بے انتہا کوشش کی ہے۔ تاہم یہ تینوں دلائل نہ صرف انسانی تجربے کی سطحیت کو ظاہر کرتے ہیں، بلکہ منطقی پرکھ کی میزان پر بھی پورے نہیں اُترتے۔ فاضل مقالہ نگار نے زیرِ نظر مقالے میں اِن تینوں دلائل کا الگ الگ تجزیہ کیا ہے۔

☆☆☆

۞ ڈاکٹر صابر حسین جلیسری، ''فکرِ اقبال کے ارتقاء کے روشن زاویے''، قومی زبان ۔نومبر ۲۰۰۴ء، ص ۲۹ تا ۳۷

مقالے کی تمہید میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں، ''اچھا شاعر معاشرے میں خدمتِ خلق اور اصلاح قوم کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اقبال کا شمار بھی بلاشبہ ایسے شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا''۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں اقبال نے حصولِ مقصد کو اپنا مطمحِ نظر بنایا۔ ایسا اسلوب اپنایا جو ان سے شروع ہو کر اُنھی پر ختم ہو گیا۔ اقبال کی حکیمانہ فکر کے کئی اہم زاویوں کا عکس ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ حب الوطنی، اخوت، حقیقت پسندی، غمِ ہستی روزگار اور ماضی کی عظمتوں کا ادراک اقبال کی دورِ اوّل کی شاعری کے اہم نکات ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری میں حصولِ علم کی تلقین کی لیکن اس کے ساتھ مغربی تعلیمات کو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں اور غیر مفید قرار دیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ نوجوان زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر اپنی خودی کو پہچانیں اور کور بینی اختیار نہ کریں۔ اقبال نے جاہ پرست علما کی سخت مذمت کی ہے۔ اقبال قومیت کی بنیاد وطنیت کو قرار نہیں دیتے بلکہ اپنی شاعری میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے عروج و عظمت کا سبب جغرافیائی یا نسلی برتری کو نہیں بلکہ اخوت کو گردانتے ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری میں بیداری کا درس دیا تاکہ مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار

دوبارہ حاصل کرلیں۔ آخر میں مقالہ نگار اقبال کے افکار کی روشنی میں موجودہ دور کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ افسوس ہم نے اس مردِ قلندر کے افکار سے کچھ فیض نہ پایا۔

☆☆☆

۞ ثناء الرحمٰن، ''اقبال اور نطشے''، قومی زبان، نومبر ۲۰۰۴ء، ص ۳۸ تا ۴۲

محترمہ ثناء الرحمٰن مقالے کی تمہید میں لکھتی ہیں: ''ہر بڑا مفکر، مدبر، شاعر، ادیب اپنے پیش روؤں اور ہم عصروں سے کسی نہ کسی لحاظ سے ضرور متاثر ہوا کرتا ہے۔ اقبال نے بھی مشرق و مغرب کی بے شمار علمی و ادبی شخصیات سے کسبِ فیض کیا۔ ان شخصیات میں حافظ، سعدی، رومی، جامی، نظیری، عرفی، طالب، بیدل اور غالب شامل ہیں۔ مثالی انسان کے حوالے سے لکھتی ہیں ''ہر دور میں مثالی انسان کی تلاش دانشور طبقے کا خواب رہا ہے۔ مختلف مفکرین نے ایسی مثالی شخصیت کو مختلف ناموں سے پکارا ہے۔ نطشے، ایمرسن، مولانا روم، افلاطون، اروبندو گھوش نے مثالی انسان کے لیے مختلف اصطلاحیں استعمال کیں۔ اقبال اور نطشے کے مثالی انسان کے بارے میں ناقدین نے اپنی اپنی آرا کا اظہار کیا''۔ مقالہ نگار نے اقبال اور نطشے کے فلسفے، مماثل اور مخالف پہلوؤں کا مختصر جائزہ ناقدین فن کی آرا کی روشنی میں کیا ہے۔ وہ ان پہلوؤں کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ اقبال نے نطشے کے نظریات سے استفادہ ضرور کیا ہے مگر یہ کہنا درست نہیں کہ اقبال کا فلسفہ نطشے کے فلسفے سے ماخوذ ہے۔ بلکہ مقالہ نگار کے نزدیک رومی کا ''مردِ کامل'' نطشے کے ''فوق البشر'' سے ہمکنار ہو کر اقبال کا ''مردِ مومن'' بن گیا۔

☆☆☆

۞ بشریٰ لطیف، ''عمرانی نقطۂ نظر سے اقبال کا تصورِ ملت''، قومی زبان، نومبر ۲۰۰۴ء۔ ص ۴۳ تا ۴۶

زیرِ نظر مقالے میں بشریٰ لطیف صاحبہ نے اقبال کے انگریزی خطبے *Islam as a Social and Political Ideal* کا ذکر کیا ہے۔ اس خطبے میں علامہ نے عمرانی نقطۂ نظر سے تصورِ ملت کو اُجاگر کیا ہے۔ خطبے کی تمہید میں علامہ کہتے ہیں۔ ''حیاتِ عمرانی میں افراد کا انفرادی عمل کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ گروہی زندگی یا اجتماعی عمل سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ کسی قوم کا اجتماعی عمل اس کی تہذیبی زندگی کی روح اور اس کے تمدن کی اساس ہے۔ عمرانی لحاظ سے اقبال نے ملت اسلامیہ کے تین پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اوّل، ملتِ اسلامیہ کی ہیئت ترکیبی عقائد پر استوار ہے جس کا تانا بانا توحید سے جا ملتا ہے یعنی ایک عقیدہ رکھنے والے حبشی عجمی، ترکی ایک ہی ملت کے افراد ہیں، علامہ وطنیت کو قومیت کی بنیاد قرار نہیں دیتے بلکہ ان کی نظر میں قومیت کی بنیاد عقائد پر ہے گویا ایک اعتبار سے نکتہ اوّل آنحضرتؐ کے اس خطبہ مبارک کی عکاسی کرتا ہے جو آپؐ نے حجتہ الوداع کے موقع پر انسانیت کو دیا۔ دوم ملت اسلامیہ کی ہیئت ترکیبی کا بنیادی عنصر مذہب ہے۔ نتیجتاً ملت اسلامیہ تمدن کی وحدت اور یک رنگی پر منتج ہوں گی۔ سوم اس سیرت کا نمونہ جو مسلمانوں کی قومی یکجہتی کے تسلسل کے لیے لازمی ہے، اس سلسلے میں علامہ [نے اورنگ زیب عالمگیر کی مثال دی]۔ مقالہ نویس آخری نکتہ کے متعلق لکھتی ہیں کہ یقین سے کہا جا سکتا ہے اقبال نے اورنگ زیب کا ذکر دورِ زوال کے مسلمانوں میں قدآور

شخصیت کے طور پر کیا ہے۔ علامہ کے ان خیالات کے پیش نظر اورنگ زیب کو قابل تقلید نمونہ قرار دینا کسی حد تک قابل فہم ہے۔

☆☆☆

❁ تسنیم اختر ''توہم پرست انگریز اور علامہ اقبال''، تہذیب الاطفال، نومبر ۲۰۰۴ء۔ ص ۹۳ تا ۹۵

تسنیم اختر صاحبہ نے انگریزوں کی توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کے حوالے سے ''علامہ اقبال سے آخری ملاقاتیں از صوفی تبسم'' سے اقتباس پیش کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ علامہ کے خیال میں انگریز لوگ جتنے پڑھے لکھے ہیں، اتنے ہی توہم پرستی کے معاملے میں جاہل ہیں۔ ولایت میں قیام کے دوران علامہ کو پیش آنے والے دلچسپ واقعات بھی اس اقتباس میں شامل ہیں جو انگریزوں کی توہم پرستی کے حوالے سے دلچسپ انتخاب ہے۔

☆☆☆

❁ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی ''حیاتِ اقبال کا سبق''، افکار معلم، نومبر ۲۰۰۴ء۔ ص ۱۱ تا ۱۵

مولانا مودودی کا یہ مضمون مجلّہ جوہر کے اقبال نمبر کے حوالے سے نقل کر کے ماہنامہ افکار معلم میں شائع کیا گیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں: ''جدید دور میں قوموں کا میلان اکابر پرستی کی طرف زیادہ ہے مگر مسلمانوں کا نقطہ نظر اس سے مختلف ہے۔ وہ بڑوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کی صرف ایک صورت کو درست قرار دیتے ہیں یعنی ''اللہ نے ان کو زندگی کا سیدھا راستہ بتایا تھا جس پر چل کر وہ بزرگی کے مراتب تک پہنچے۔ لہٰذا ان کی زندگی سے سبق حاصل کرو اور اس کے مطابق عمل کرو''۔ مولانا، اقبال کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے نوجوانوں کو اقبال کی زندگی سے سبق حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اقبال کے عشق مصطفیٰؐ، قرآن کی تعلیمات، شریعت پر عمل کرنے کے حوالے سے کچھ واقعات کا تذکرہ بھی اس مقالے میں ملتا ہے۔ حیات اقبال کی ان جھلکیوں سے عام قاری بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اقبال فقط اعتقادی مسلمان نہ تھے، عملاً وہ فقیر منش اور سچے مسلمان تھے۔

☆☆☆

❁ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق ''مغربی تعلیم پر اقبال کی نکتہ چینی''، افکار معلم، نومبر ۲۰۰۴ء۔ ص ۱۷ تا ۲۱

ڈاکٹر عبدالغنی مقالے کے تمہید میں لکھتے ہیں کہ جب یورپی استعماری طاقتوں نے عالم اسلام پر تسلط قائم کیا تو ساتھ ہی جدید تعلیم کا نظام مسلمانوں پر مسلط کر دیا جس کا بنیادی مقصد اسلامی مشاہیر کے کردار کو مسخ کر کے پیش کرنا اور ایسا نصاب مرتب کرنا تھا جو خالصتاً سیکولر اور مادیات پر مبنی ہو۔ لارڈ میکالے نے جو رسوائے زمانہ نظام تعلیم نافذ کیا، اس سے اُس کا تعصب کھل کر سامنے آ گیا۔ نتیجتاً مسلمانوں کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے میں الحاد اور زندقہ کی تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ یورپی تہذیب منہ زور طوفان کی طرح عالم اسلام پر چھا گئی۔ علامہ اقبال نے ایسے نظام تعلیم کو انسانیت کے لیے زہر قاتل قرار دیا ہے۔ وہ اپنی شاعری میں جدید تعلیم پر نوحہ کناں نظر آتے ہیں۔ علامہ صاحب کی نظر میں اس طرز تعلیم نے معاشری قدروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ نوجوان

خودی سے بیگانہ ہو گئے۔ ان کے دل میں خوف اور تذبذب جاگزیں ہو گئے۔ ان کے نزدیک حصول علم کا مقصد محض اعلیٰ ملازمت کا حصول ہو کر رہ گیا۔

☆☆☆

۞ پروفیسر ضیاء ''فلسفہ تعلیم علامہ اقبال کی نظر میں''، تاج ، اکتوبر نومبر ۲۰۰۴ء کراچی۔ ص ۸۷ تا ۹۴

پروفیسر صاحب نے اپنے مقالے کی تمہید میں لکھا ہے کہ علامہ اقبال کو مفکر تعلیمات کہنا مشکل ہو گا، لیکن اگر تعلیم کو عام معنوں میں لیا جائے تو اقبال بلاشبہ مفکر تعلیمات ہیں۔ علامہ کے فلسفے کا بنیادی ماخذ نظریۂ خودی ہے خودی جماعت کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے۔ فرد ماحول کے اس باہمی ربط و کشمکش سے خودی کی تعمیر کرتا ہے اس نظریے سے ماہرین تعلیم بھی متفق ہیں اقبال کا تصور حیات جمود کا قائل نہیں بلکہ سعی و عمل کی تعلیم دیتا ہے علامہ کی نظر میں وہ علم جو زندگی سے دور لے جائے، وہ بے کار ہے۔ علامہ کی فلسفیانہ فکر میں تصوراتی دنیا اور واقعاتی دُنیا کو بہت زیادہ، اہمیت حاصل ہے۔ علامہ کے نزدیک مادہ اور روح دو مخالف عناصر نہیں بلکہ مادہ ابتدا ہے اور زندگی کا کارواں اس سے اپنا راستہ شروع کرتا ہے اور ترقی کرتا ہوا روح یا تصوراتی دُنیا میں پہنچتا ہے وہ کائنات کی اصل روح کو قرار دیتے ہیں جو اپنا اظہار مادّہ میں کرتی ہے۔ اس کی تسخیر و ترقی اعلیٰ سے اعلیٰ منزل پر لے جانا ہی حقیقی اور روحانی زندگی ہے۔

ہر نظام تعلیم کا بنیادی مقاصد متعین ہوتا ہے کہ وہ انسان کو کس سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے اقبال کا نظام تعلیم ایک ایسا مثالی شخص پیش کرتا ہے جو سرتاپا باعمل ہو جو خوف کا علاج توحید سے کرتا ہوں آفرین تازہ کار ہو اور ایسے مثالی شخص کے لیے تاریخ مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ ایسے شخص کے لیے کائنات کی وسعتیں لامحدود ہیں۔ علامہ موصوف اسباب تسخیر کائنات کے لیے عقل کی اہمیت مانتے ہیں لیکن اس کو منزل نہیں، بلکہ چراغ راہ قرار دیتے ہیں۔ اقبال کا مثالی انسان فقیر ہے جس کا ذکر جابجا اپنے اشعار میں کرتے ہیں۔

☆☆☆

۞ شفیق عجمی ''ممتاز جرمن مستشرق اور اقبال شناس ڈاکٹر این میری شمل''، تحقیق نامہ ، گورنمنٹ کالج ، لاہور، سالنامہ۔ ص ۱۴۵ تا ۱۵۴

شفیق عجمی صاحب نے ممتاز مستشرق خاتون ماہر اقبالیات ڈاکٹر این میری شمل کے شرح احوال اور ان کی علمی و ادبی خدمات کا مفصل جائزہ پیش کیا ہے۔ پاکستان میں ڈاکٹر شمل کی ان خدمات کے صلے میں اُنھیں اعلیٰ اعزازات اور ڈگریوں سے نوازا گیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر شمل کے تحقیقی موضوعات کا دائرہ متنوع بھی ہے اور وسیع بھی۔ ان کی تصانیف اور تحقیقی مقالات سے اُن کی وسعت علمی، وسیع النظری اور مشرق کو مغرب سے قریب لانے کی کوششوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اقبالیاتی ادب میں ان کو ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ اقبالیات کے مختلف موضوعات پر اُن کی سات مستقل تصانیف بھی ملتی ہیں اور تحقیقی مقالات کی تعداد چودہ کے قریب ہے جن میں سے بعض کے اردو تراجم مختلف جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ مقالے کے اختتام پر وہ لکھتے

ہیں کہ اقبال شناسی کی روایت میں ڈاکٹر شمل کی خدمات کو ہمیشہ سراہا جاتا رہے گا۔لیکن ساتھ ہی اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ ان کے خیالات تنقید و تجزیہ سے ماورا نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے اسلام، پاکستان، روحانیات اور بالخصوص اقبالیات سے بے پناہ لگاؤ رکھنے والی اس عظیم المرتبت سکالر کی علمی دریافتوں کو ابھی تک اعلیٰ سطح پر موضوعِ تحقیق نہیں بنایا جا سکا ہے۔

☆☆☆

۞ پروفیسر خالد پرویز ''علامہ اقبال اور عشق مصطفیٰ ؐ''، مومن، لاہور، نومبر ۲۰۰۴ء۔ص ۳۳ تا ۳۴

ثنائے مصطفیٰ ﷺ اور توصیف محبوب ﷺ اس مقالے کا بنیادی موضوع ہے۔آپ ؐ کے اوصافِ حمیدہ بیان کرنا ہر قلم کار اپنا اولین فریضہ سمجھتا ہے، مگر علامہ اقبال نے اس فریضے کو اس طرح نبھایا کہ فارسی اور اردو کے اکابر اور نامور شعراء کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ یہ سب کچھ علامہ اقبال کو جذبہ عشق رسول ؐ کی بدولت ودیعت ہوا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اس مقالے میں اقبال کے عشق مصطفیٰ ؐ کو دل نشین پیرایے میں قلم بند کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال شافع محشر ؐ اپنے گناہوں کی معافی کے طلب گار ہیں لیکن انہیں اس بات پر یقین کامل ہے کہ انہیں دربارِ اقدس میں معافی ضرور ملے گی اور وہ روز قیامت غلامان مصطفیٰ ؐ کی صف میں شہیدوں کے ہمسفر ہوں گے۔

☆☆☆

۞ عبدالغنی ''فکر اقبال: اسلام کا قانونِ معاشرت اور جنسی توازن''، فیض الاسلام، نومبر ۲۰۰۴ء۔ص ۳۷ تا ۳۹

مقالے کی تمہید میں عبدالغنی صاحب اسلام کی طرز معاشرت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔اسلام کے نظام معاشرت نے غیر فطری رسم و رواج کی تمام بندشوں کو کاٹ دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان کے لیے حدود بھی متعین کی ہیں، تاکہ معاشرے میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔فلسفۂ زن کسی بھی تہذیب کا بنیادی پتھر ہے، لہٰذا اس کی درستی اشد ضروری ہے۔ضرب کلیم میں عورت کے عنوان کے تحت جتنی بھی منظومات ہیں، مقالہ نویس نے عصر حاضر کے حوالے سے ان پر خیالات کا اظہار کیا ہے۔نمونے کے طور پر اشعار بھی شامل کیے ہیں۔اس مقالے میں جاوید نامہ کے باب فلک مریخ کے ایک نہایت عبرت خیز مضمون ''تذکیر نبیّہ مریخ'' سے بھی انتخاب شامل کیا گیا ہے۔

☆☆☆

۞ شگفتہ نازلی ''علامہ اقبال کا فلسفۂ فقر''، ادب دوست، نومبر ۲۰۰۴ء۔ص ۶ تا ۹

شگفتہ نازلی صاحبہ نے مقالے کی تمہید میں مردِ مومن کے لیے استعمال ہونے والی اصطلاحوں کا تذکرہ کیا ہے، جن میں ایک روحانی نام ''درویش'' ہے۔وہ لکھتی ہیں کہ اقبال کی آخری دور کی شاعری میں فقر، قلندری، درویشی کا جا بجا ذکر ملتا ہے۔جاوید نامہ میں فقر مستقل اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا۔

فقر کا مقام ارتقائے خودی کی آخری منزل ہے اور خودی کے حق میں گدائی اور منت کشی زہر قاتل ہے۔حجازی فقر اور رہبانی فقر میں نمایاں فرق بیان کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں کہ اقبال کے نزدیک حجازی فقر افلاس وتنگدستی نہیں بلکہ استغنا اور دولت سے بے نیازی ہے جبکہ رہبانی فقر نذر و نیاز فخر سے قبول کرتا ہے۔ رہبانیت کشمکش حیات سے گریز پا ہونے پر مائل کرتی ہے۔حجازی فقر سعی وعمل کا درس دیتا ہے۔

حجازی فقر کا حامل درویش ہر حال میں راضی برضا محبوب ہوتا ہے۔اس کا شیوہ ہے کہ یہ دولت، متاع عزیز، کائنات اور ہم خود خدا کی ملکیت ہیں اور اُسی کی طرف لوٹنا ہے۔مرد فقیر خوف اور غم کا علاج ایمان سے کرتا ہے۔اس کی شان جلالی کے سامنے تمام قوتیں پسپا ہو جاتی ہیں۔مقالے کے اختتام پر وہ لکھتی ہیں اقبال نے اپنے اشعار میں درویش کے جس پیکر خیال کو تراشا ہے درحقیقت اشعار کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اقبال کی اپنی شبیہ معلوم ہوتی ہے۔

☆☆☆

❁ پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر ''روایتی تنقید پر ایک اور نظر''، قومی زبان ،نومبر ۲۰۰۴ء۔ص ۵ تا ۱۱

پروفیسر ایوب صابر لکھتے ہیں کہ انیسویں صدی کے آخر میں لاہور میں بھی دہلوی لکھنوی چشمک موجود تھی۔ اعتراض کرنا اہل زبان کی عادت تھی مگر اس ضمن میں دہلی والوں کی نسبت لکھنؤ والے زیادہ تیز تھے۔دوسرے شعراء کی طرح اقبال کے کلام پر بھی اعتراضات کیے گئے۔اقبال کی زبان پر اعتراض کرنے والے اکثر شاعر تھے، لیکن وہ خود بڑے شاعر نہ بن سکے۔اقبال نے اپنی فکر کی تکمیل کی اور بڑے شاعر بنے۔انھیں زبان پر عبور حاصل ہوتا گیا اور ان کا فن نکھرتا گیا۔

پروفیسر صاحب کے نزدیک ہر بڑے شاعر کے ہاں کچھ فروگذاشتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر اعتراضات بجا بھی ہوتے ہیں۔ جو اعتراضات کلام اقبال پر کیے گئے تھے ان میں سے متعدد درست تھے خصوصاً جو ابتدائی کلام پر کیے گئے لیکن یہ فنی عیوب کثیر نہیں، قلیل تھے۔اقبال نے ان اعتراضات میں اپنی اصلاح کا پہلو تلاش کیا۔یہی وجہ ہے کہ اقبال اور غالب کی زبان کو معیار، اعتبار اور سند کا درجہ حاصل ہوا اور اقبال کی زبان اس کے جذبے اور تخیل کا ایسا پیکر بن گئی کہ اس کے لفظ و معنی کو الگ الگ کر کے دیکھنا ممکن نہیں۔

اس مقالے میں ڈاکٹر ایوب صابر نے اقبال پر کیے جانے والے اعتراضات کا مختصراً جائزہ پیش کیا ہے جس میں معترضین کی متعصب ذہنیت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

☆☆☆

❁ ڈاکٹر وحید قریشی ''اقبال کا تصور جہاد''، آفاق، ٹورنٹو (کینیڈا)۔ص ۳۲ تا ۳۴

فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک وہ تمام اعمال وتصورات جو اسلام کے متوازی نصب العین کی حیثیت اختیار کر جائیں اور زندگی کے عروج وزوال کا تعین انھی کے بنائے ہوئے معیار پر ہونے لگے تو ان کی مخالفت کی ہر قسم جہاد ہے یہ جہاد آدمی کے اندر بھی ہو سکتا ہے اور خارج میں بھی۔اقبال نے اپنے کلام میں حربی جہاد میں جن شخصیات کو نمونہ بنایا، ان میں حضرت علیؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ اور بعد

کے طبقات میں محمود غزنوی، اورنگ زیب عالمگیر، احمد شاہ ابدالی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اقبال ہر دینی مرتبے میں مجاہدانہ معنویت ضرور دیکھتے ہیں۔ ان کی نظر میں مومن دراصل طاقت کا مظہر ہے، جنگ میں بھی اور امن میں بھی۔ ایک پہلو سے وہ قہاری جلال کا حامل ہوتا ہے اور دوسرے رُخ سے غفاری، جمال اور فقر کا۔ فطرت کے یہ دونوں لوازم جس شخص میں جمع ہوں گے، وہ ایک پختہ خودی کا مالک ہوگا۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب لکھتے ہیں کہ جہاد کے حوالے سے اقبال پر قوت پرستی کا الزام لگایا جاتا رہا ہے جو غلط ہے۔ مرد مومن کی قوت اثبات کی ہر جہت کو مستحکم کرتی ہے اور حق کی راہ میں درپیش مزاحمتوں کا خاتمہ کرتی ہے۔ یہ قوت اعلیٰ مقاصد کی حامل ہوتی ہے۔ نطشے کے سپرمین کی طرح محض تخریب کی صلاحیت سے عبارت نہیں۔

☆☆☆